۳؍ اپریل ۱۹۰۸ء
مسجد اقصیٰ قادیان

خطبہ جمعہ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَ الْجُبْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَ قَهْرِ الرِّجَالِ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ (ترمذی کتاب الدعوات)۔

متواتر کئی جمعوں سے میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ انسان کو نماز کس طرح سے سنوار کر پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ آج بھی نماز کے آخر میں جو دعا ہے اس کا ذکر کرتا ہوں۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ درود شریف کے بعد یہ دعا بھی نماز میں پڑھی جایا کرے۔ نماز کے پہلے مراتب اذان سے لے کر اس دعا سے پہلے تک پیشتر کے جمعوں میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ بعض ائمہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ جنھوں نے اس دعا کا پڑھا جانا مستحب یا مسنون کے درجہ سے بڑھ کر واجب قرار دیا ہے اور اسی پر

ان کا عمل ہے۔

انسان بہت بڑے بڑے ارادے کرتا ہے۔ بچپنے سے نکل کر جب جوانی کے دن آتے ہیں اور جوں جوں اس کے اعضا نشو و نما پا کر پھیلتے ہیں اور قویٰ مضبوط ہوتے ہیں اس کے ارادے بھی وسیع ہوتے جاتے ہیں۔ ایک بچہ رونے اور ضد کرنے کے وقت ماں کی گود میں چلے جانے یا دودھ پی لینے سے یا تھوڑی سی شیرینی یا کسی تماشے کھیل سے خوش ہو سکتا ہے اور اس کے بہلانے کے واسطے بہت تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے یا یوں کہو کہ ایک بچے کی خوشی اور خواہشات کا منزل مقصود بہت محدود ہوتا ہے۔ مگر جوں جوں وہ ترقی کرتا اور اس کے قویٰ مضبوط ہوتے جاتے ہیں توں توں اس کے ارادوں اور خواہشات کا میدان بھی وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن شریف کی اس آیت اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡکُمۡ مَّایَتَذَکَّرُ فِیۡهِ مَنۡ تَذَکَّرَ وَ جَآءَکُمُ النَّذِیۡرُ (فاطر:۳۸) کا مصداق بن جاتا ہے۔ اس دور کا پہلا درجہ اٹھارہ سال کی عمر ہوتی ہے۔ اس وقت انسان میں عجیب عجیب قسم کی امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ انسان کے قویٰ بھی مضبوطی اور استویٰ کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کے ارادے بھی بہت وسیع ہو جاتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نمازی کو جن میں یہ لڑکا بھی داخل ہے طول امل اور ہموم و غموم سے پناہ مانگنے کے واسطے حکم دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چار کونہ شکل بنائی اور اس کے وسط میں ایک نقطہ بنا کر فرمایا کہ یہ نقطہ انسان ہے اور دائرہ سے مراد اجل ہے یعنی انسان کو اجل احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور پھر انسانی امانی اور آرزوئیں اس سے بھی باہر ہیں۔ یہ سچی بات ہے کہ انسان بڑے بڑے لمبے ارادے کرتا ہے جو سینکڑوں برسوں میں بھی پورے نہیں ہو سکتے مگر اس کی اجل اسے ان ارادوں تک پہنچنے سے پہلے ہی دبا لیتی ہے۔

غرض انسان چونکہ بہت لمبے ارادے کر لیتا ہے اور پھر ان میں کامیاب نہیں ہوتا تو اس ناکامی کی وجہ سے انسان میں "ہم" یعنی غم پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو لمبے ارادے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اَعُوۡذُبِكَ مِنَ الۡهَمِّ کے یہی معنے ہیں کہ اے خدا! میں ان موجبات سے ہی تیری پناہ مانگتا ہوں جو "ہم" کا باعث ہوتے ہیں۔

پھر بعض اوقات انسان ناکامی کے وجوہات تلاش کرتے کرتے گزشتہ امور میں غور کرنے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں آج سے دو سال پہلے یا چار سال پیشتر اس طرح سے عمل درآمد کرتا تو آج مجھے اس ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کامیاب ہو جاتا۔ اس طرح کے غم کا نام جو گزشتہ غلطیوں اور

کوتاہیوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے شریعت نے حزن رکھا ہے اور اس سے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے بِئْسَ الْمَطِيَّةُ لَوْ۔ لَوْ (اگر ایسا ہوتا تو ایسا ہو جاتا اور یوں ہوتا تو یوں ہو جاتا) بہت بری چیز اور نقصان رساں لفظ ہے۔ اس طرح اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ کے یہ معنی ہوئے کہ یا الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ان بواعث اور موجبات سے جن کا نتیجہ "ہم" اور حزن ہوتا ہے۔ یعنی نہ تو مجھ میں بے جا اور لمبے لمبے ارادے پیدا ہوں اور نہ میں "کاش" اور "لو" کا استعمال کروں۔ مطلب یہ کہ نہ مجھے موجودہ ناکامی کی وجہ سے کوئی غم ہو اور نہ گذشتہ کسی تکلیف کا خیال مجھے رنجیدہ اور ستانے کا باعث ہو سکے۔

اس دعا کے سکھانے سے غرض اور انسان کے واسطے سبق یہ مد نظر ہے کہ انسان بہت طول امل سے پرہیز کرتا رہے اور گزشتہ مصائب کو یاد کر کے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالے۔ کیونکہ جب انسان ہم اور حزن میں ڈوب جاتا ہے تو آئندہ ترقیوں کی راہیں بھی اس کے واسطے بند و مسدود ہو جاتی ہیں۔ ہم اور حزن سے فرصت ملے، نہ یہ حصول خیر اور دفع شر کے لئے کوئی تجویز سوچے۔

پس اسی لئے انسان کو پھر یہ دعا سکھائی گئی کہ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسْلِ۔ عجز کہتے ہیں اسباب کا مہیا نہ کرنا۔ جو سامان اللہ تعالیٰ نے کسی حصول مطلب اور دفع شر کے واسطے بنائے ہیں ان کا مہیا نہ کرنا اور ہاتھ پاؤں توڑ کر رہ جانے کو عجز کہتے ہیں۔ بقدر طاقت، بقدر امکان، بقدر فہم اور علم کوشش ہی نہ کرنا اور تدبیر ہی نہ کرنا ہی عجز ہے۔ توکل اسے نہیں کہتے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اَعْلَمُ النَّاسِ، اَخْشٰی لِلّٰهِ اور اَتْقَی النَّاسِ تھے، ان سے بڑھ کر بھی بھلا کوئی انسان ہو سکتا ہے۔ تو ان کو بھی یہ حکم ہوتا ہے کہ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (ال عمران:۱۶۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور بے لوث زندگی جو ہمارے واسطے قرآن شریف اور اس کے کل احکام کا ایک عملی اور زندہ نمونہ موجود ہے۔ اس میں غور کرنے سے ہرگز ہرگز ایسا کبھی ثابت نہیں ہو گا کہ آپ نے بھی کبھی توکل کے یہ معنے کئے ہوں جو آج کل بدقسمتی سے سمجھے گئے ہیں۔ توکل کے غلط معنوں کی وجہ سے ہی تو مسلمانوں میں سستی اور کاہلی گھر کر گئی۔ اور ان میں سے بعض ہاتھ پاؤں توڑ کر لوگوں کا محنت اور جانفشانی سے کمایا ہوا مال کھانے کی تدابیر سوچنے لگے۔

ہندوستان میں بارہ ریاستیں ہمارے دیکھتے دیکھتے تباہ ہو گئی ہیں۔ کئی معزز گھرانے مرتد اور بے دین ہو گئے ہیں۔ اسلام پر اعتراضات کا آرا چلتا ہے مگر کسی کو گھبرا نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ لوگ اپنے اپنے نفسانی ہم و حزن میں مبتلا ہیں اور سچے اسباب اور ذرائع ترقی کی تلاش سے محروم و بے نصیب ہیں۔

پس دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ عجز سے بچاوے اور بقدر فہم و فراست تکیہ اسباب کرنا ضروری ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ مشورہ کرنا چاہئے۔ قرآن شریف کا حکم ہے کہ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (الشوریٰ:۳۹)۔ مشورہ کرنا ایسا پاک اصول ہے کہ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور برکت عطا ہوتی ہے اور انسان کو ندامت نہیں ہوتی۔ مگر خود پسندی اور کبر ایسی امراض ہیں کہ انہوں نے شیطان اور انسان دونوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ دیکھو ہر انسان ایسی پختہ عقل اور فہم رسا کہاں رکھتا ہے کہ خود بخود اپنی عقل سے ہی ساری تدابیر کر لے اور کامیاب ہو جاوے۔ یہ ہر ایک انسان کا کام نہیں۔ اسی واسطے مشورہ کرنا ضروری رکھا گیا۔ ناتجربہ کار تو ناتجربہ کار ہی ہے مگر اکثر اوقات بڑے بڑے تجربہ کار بھی مشورہ نہ کرنے کی وجہ سے سخت سے سخت ناکامیوں میں مبتلا ہو کر بڑی بڑی ندامتیں برداشت کرتے ہیں۔

پس خود کو موجودہ ناکامیوں کے بہت فکروں میں ہلاک نہ ہونے دو اور نہ گذشتہ کاہلیوں اور فروگذاشتوں کے خیال سے اپنے آپ کو عذاب میں ڈالو بلکہ سچے اسباب کی تلاش کرو اور مشوروں سے کام لو۔

الکسل۔ کسل عربی میں کہتے ہیں کہ اسباب موجود ہوں مگر ان سے کام نہ لیا جاوے۔ سامان مہیا ہیں مگر ان سے فائدہ نہ اٹھایا جاوے۔ مثلاً کتاب موجود ہے۔ مدرس اور مولوی پڑھانے کے لئے موجود ہیں مگر علم کا حاصل نہ کرنا کسل ہے۔ یا مثلاً اگر علم ہو پر عمل نہ کیا جاوے۔ آنکھ خدا نے دی ہے مگر حق کی بینا نہیں' نہ اس سے کتاب اللہ کو پڑھے اور نہ نظر عبرت سے عبرت خیز نظاروں کو دیکھے۔ کان دیئے ہیں مگر وہ حق کے شنوا نہیں۔ زبان خدا نے دی ہے مگر وہ حق کی گویا نہیں۔

غرض عجز تو کہتے ہیں اسباب کا مہیا ہی نہ کرنا۔ اور کسل کے معنے ہیں کہ مہیا شدہ اسباب سے کام نہ لینا۔ اور یہ دونوں قسم کے اخلاق رذیلہ اور کمزوریاں نتیجہ ہوتی ہیں ہم اور حزن کا۔ کیونکہ جب انسان ہم و حزن میں ڈوب جاتا ہے تو اسے پھر نہ تو آئندہ کسی ترقی اور خوشی کے حصول کے اسباب مہیا کرنے اور شر سے بچنے کی کوشش کرنے کی توفیق اور وقت و فرصت ملتی ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کے خوشی و راحت کے اسباب سے کام لے کر نتیجہ اور پھل کا وارث بن سکتا ہے۔

اسی واسطے شریعت اسلام جو کہ عین فطرت انسانی کے مطابق خالق فطرت خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس میں اس دعا کے ذریعہ سے ان رذائل سے بچنے کی کوشش کرنے اور پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے اور سکھایا گیا ہے کہ کسی ایک ناکامی سے ایسا متاثر ہونا اور اسی کے ہم و حزن میں مبتلا اور قید ہو کر ایسا رہ جانا کہ آئندہ کوئی ترقی ہی نہ کر سکے نہ اسلام کا منشاء ہے اور نہ مسلمانوں کی راہ۔ بلکہ مسلمان ایسی

بودی روکوں اور کچی رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرکے اَلْخَیْرُ فِیْ مَاوَقَعَ کے پاک مقولہ کی یاد سے شاد ہوتا ہوا آئندہ ترقیوں کی تدابیر میں بڑی بلند پروازی اور اطمینان سے کوشاں ہو جاتا ہے۔ اور مومن ایسا ہوشیار ہوتا ہے کہ کامیابی کے کل وسائل اور پاک اصول کو وہ خود مہیا کرتا اور پھر ان سے کام لینے کا کوئی بھی دقیقہ اور کسرباقی نہیں رہنے دیتا۔

غرض اس دعا کی تہ میں ایک باریک قسم کی تعلیم ہے جو مسلمانوں کو حد درجہ کا ہوشیار' چالاک اور شجاع بناتی اور سستی اور کاہلی سے نفرت دلاتی ہے۔

میں ان لوگوں کو جو حضرت اقدس علیہ السلام کی اتباع میں ہمارے ساتھ شامل ہیں خصوصیت سے تاکید کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تم لوگوں نے اپنا ملک چھوڑا' وطن چھوڑے' خویش واقارب' یار دوست چھوڑے' قوم سے الگ ہوئے اور ان کے سخت سے سخت فتووں کے نیچے آئے' بے دین' کافر' مرتد' ضال' مضل کہلائے ہو۔ اگر تم بھی علم میں اور پھر عمل میں' دین میں اور ایمان میں اپنا اعلیٰ نمونہ نہ دکھاؤ اور بین ثبوت نہ دو کہ واقعی تم نے خدا کی طرف قدم اٹھائے ہیں' بے نظیر ترقی کی ہے اور تمہارے افعال' تمہارے اقوال' تمہارے ظاہر' تمہارے باطن' تمہاری زندگی کی موجودہ روش' لباس' پوشاک' خوراک اس امر کی پکار کر گواہی نہ دے اٹھیں کہ واقعی تم نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے اور تمہارے اعمال کی حالت پاکیزگی تمہارے ایمان کے نہایت مضبوط اور غیر متزلزل ہونے اور تمہارے معتقدات کے صحیح ہونے پر شاہد ناطق نہ ہو اور تم میں اور تمہارے غیروں میں ایک نور اور مابہ الامتیاز پیدا نہ ہو جاوے تو بڑے ہی افسوس اور شرم کا مقام ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اعلم الناس تھے ان کو حکم ہوتا ہے کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۵) کی دعا کیا کرو۔ تو پھر کون امتی ایسا ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھے علم کی' عمل کی' مشورہ کی' سیکھنے کی سننے کی اور صحبت پاک کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ یہ غلط راہ ہے اور بالکل غلط طریق ہے۔ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ۔ ظاہر ہے کہ جب انسان اپنی مصیبتوں کے رونے روتا رہے اور نہ کام کرے نہ کاج' نہ کوشش کرے' نہ سامان مہیا کرے اور نہ ان سے کام لے بلکہ ہاتھ پاؤں توڑ لنگڑے لولوں کی طرح بے دست وپا نکھٹوں' سست اور کاہلوں کی زندگی بسر کرنے کا عادی ہو جاوے تو آسودگی' خوشحالی اور مال و دولت جو کہ کمانے سے' محنت اور کوشش کرنے سے انسان کو ملتی ہیں اس کے پاس کہاں سے آجاوے گی۔ اور یہ صاف بات ہے کہ جو آگ کھاوے گا انگار ہگے گا۔ جیسا کرے گا ویسا

پاوے گا۔ جو بوئے گا سو کاٹے گا۔ ایسا انسان جو کچھ کرتا ہی نہیں' روپیہ کمانے اور روپیہ آنے اور امیر
21 بننے کی جو راہیں خدا نے بنائی ہیں ان کا علم ہی حاصل نہیں کرتا اور ان کی پرواہ ہی نہیں کرتا تو اس کے پاس روپیہ اور مال و دولت کہاں سے آوے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ مفلس اور محتاج ہو گا اور افلاس اور احتیاج کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑے گا جو کہ لازماً بخل اور جبن ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ ہم اور حزن کا نتیجہ عجز اور کسل ہوتا ہے۔ اور عجز اور کسل کا نتیجہ افلاس اور احتیاج کی معرفت بخل اور جبن ہوا کرتا ہے۔

پس کیسی عجیب راہ مسلمانوں کو بتائی گئی ہے کہ اللہ کے حضور دعا کیا کریں اور قبولیت دعا اور جذب فیضان کے واسطے چونکہ انسان کو خود بھی حتی المقدور کوشش اور سعی کرنا اور خدا کی بتائی ہوئی راہوں پر کاربند ہونا لازمی ہے لہٰذا خود بھی ان رذائل سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کرے اور پھر نتیجہ کے واسطے خدا کے حضور التجا کرے۔

بخل سے مراد مالی بخل' خیالات پاکیزہ کے اظہار کا بخل' علم و عمل کا بخل' غرض کسی کو نفع نہ پہنچانا خواہ وہ کسی ہی رنگ میں ہو بخل کہلاتا ہے۔

جبن۔ بزدلی جو کہ انسان میں فطرتاً کسی نہ کسی قسم کی کمزوری یا نقص ہونے کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔

آج اس زمانہ میں علاوہ مالی بخل اور جبن کے اظہار خیالات کے مادہ اور طاقت کا نہ ہونا' علم جو کہ ایک طاقت اور جرأت کا بڑا بھاری باعث اور موجب ہوتا ہے اس کا نہ ہونا' مؤثر پیرایوں میں اپنے عندیہ کو مدلل اور مبرہن نہ کر سکنا' قوت بیانی کا نہ ہونا' ان سب کا نام ہے بخل۔ اور پھر ان کے عدم کی وجہ سے انسانی حالت جو کہ فطرتاً اس کمی اور کمزوری کی وجہ سے اپنے اندر ہی اندر ایک قسم کا ضعف محسوس کرتی ہے اور مخالف خیالات کے لوگوں سے مقابلہ کرنے سے پرہیز کرتی ہے' اس حالت کا نام جبن یعنی بزدلی ہے۔

ورنہ اب کوئی تیر و تلوار کی لڑائی تو ہے نہیں۔ اور ان جنگوں کے واسطے بھی جس جرأت اور بہادری اور دلیری کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی انہی صفات کے ماتحت ہوتی ہے۔ وہاں بھی علم کی ضرورت ہے جو کہ ایک طاقت ہے۔

غرض ہم نے تو بارہا اس نقص کے رفع کرنے کے واسطے کوششیں کی ہیں۔ بلکہ انجمن تشحیذ الاذہان میں اس قسم کے طلباء کے واسطے انعامات بھی مقرر کیے ہیں تاکہ ہمارے نوجوانوں کو بولنے کی عادت ہو

اور ان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاوے جس سے وہ آزادی اور صفائی سے اپنا عندیہ اور خیالات کا اظہار دوسروں پر کر سکیں اور ان کو حق کے پہنچانے اور تبلیغ دین کے لئے مؤثر پیرایوں سے طاقت بیانیہ حاصل ہو جاوے اور خاص مضمون پر لیکچر دینے اور اسی کے حدود کے اندر تقریر کرنے کی طاقت ہو جاوے مگر بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔

یاد رکھو کہ یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس وقت تیرو تفنگ اور بندوق توپ اور قواعد جنگ و فنون حرب سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس زمانہ کے مناسب حال ہتھیار یہی ہے کہ کامل اور صحیح علم کی زبردست طاقت اور تقریر اور قوت بیان اور عجیب در عجیب پیرایوں سے اپنے خیالات کو مدلل اور مبرہن کر کے اپنے دشمنوں پر حجت پوری کرنے کے زبردست اور تیز ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ فَتَدَبَّرُوْا۔

وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَ قَهْرِ الرِّجَالِ۔ صاف بات ہے کہ جب انسان میں افلاس ہو گا' ضرورتیں مجبور کریں گی۔ قحط 'گرانی اشیا' کپڑا' غلہ' دال 'گوشت' دودھ' تعلیم' سب چیزیں گراں ہوں گی تو انسان جس کا گزارہ ان کے سوا ہو نہیں سکتا مجبور ہو گا کہ کسی سے قرض لے اور طرح طرح کی تدابیر حصول قرض کے واسطے اسے عمل میں لانی پڑیں گی اور اس طرح سے وہ قرض کی مصیبت میں مبتلا ہو جاوے گا۔ پھر چونکہ آمدنی کے ذرائع تو محدود ہیں اور آمد خرچ سے کم ہے قرض کے ادا کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آوے گی۔ قرض خواہ لوگ تنگ کریں گے۔ سختی کریں گے۔ مقدمات کریں گے۔ ڈگریاں کرائیں گے۔ قرقیاں ہوں گی۔ لوگ گلے میں کپڑا ڈالیں گے۔ غرض اس طرح سے حالت بہت خطرناک اور نازک ہو جاوے گی۔ اس واسطے دعا کرنی چاہئے کہ خدا ان سب باتوں سے بچاوے اور ہم و حزن سے محفوظ رکھے۔ سچے اسباب مہیا کرنے اور پھر ان سے کام لینے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ بخل اور جبن اور پھر ان کے بدنتائج قرض اور قہر الرجال سے حفاظت میں رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن متقی کی مثال اس پرند کی ہے کہ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَ تَرُوْحُ بِطَانًا اپنے گھونسلے میں دانہ جمع نہیں رکھتا۔ مگر وہ بیکار اور بے دست و پا ہو کر بھی اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھ رہتا۔ باہر جاتا ہے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آشیاں میں آتا ہے۔ پس مومن کے واسطے بھی اس میں ایک سبق رکھا ہے اور توکل کے معنے بتائے گئے ہیں۔ جس طرح سے پرندہ کے گھر میں دانہ جمع نہیں ہے مگر وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ بھی نہیں رہتا بلکہ گھونسلے سے باہر جاتا ہے' محنت مشقت کرتا ہے اسی طرح انسان کو بھی محنت کرنی چاہئے تا کہ اس کی ضرورتیں اس کے واسطے بھی مہیا کی جاویں۔

وہ کاہل اور سست انسان جو کہ توکل کے جھوٹے معنے گھڑ کر توکل کی آڑ میں ایسا کرتے ہیں سوچیں اور غور کریں۔

پس ایسے انسان جبکہ ان کی ضرورتیں ان کو مجبور کرتی ہیں' مکان' لباس' خوراک اور بیوی بچوں کی ضروریات ان کو مجبور کرتی ہیں تو وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ کوئی الو مل جاوے اور ان کا کام ہو جاوے۔ کسی کی کمائی ان کو مفت میں مل جاوے۔ غرض اس طرح سے ناجائز طریق سے کوشش کر کے قرض لیتے اور پھر جب ادا ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو کتی کے کان کاٹ کر بلی کے اور بلی کے کاٹ کر کتی کے لگاتے پھرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے اور ایک سے لے کر دوسرے کو اور دوسرے سے لے کر تیسرے کو دیتے ہیں۔ ایسی ایسی چالاکیاں ان کو کرنی پڑتی ہیں۔

غرض یہ بہت خطرناک حالت ہے۔ پس تم کوشش کرو۔ حق پہنچاؤ اور ضرور پہنچاؤ۔ ہم و حزن سے کچھ نہیں ہوتا۔ کوشش سے کچھ ہوتا ہے' کوشش کرو اور خدا سے دعائیں کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اور فضل کرے۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ

اللہ تعالیٰ کو جتنا جتنا تم یاد کرو گے وہ بھی تمہیں یاد کرے گا اور تمہاری عزت اور بزرگی بڑھائے گا۔ اگر تم اعلاء کلمۃ اللہ میں دل و جان سے کوشش کرو گے' خدا کی باتیں لوگوں کو پہنچاؤ گے تو یہ قاعدہ کی بات ہے کہ حق گو اور حق کے پہنچانے والوں کے لوگ دشمن ہو جایا کرتے ہیں۔ قسما قسم کی تہمتیں اور الزام لگائے جاتے ہیں۔ اصل میں یہ سب اس واسطے ہوتا ہے کہ شیطان کو فکر پڑ جاتی ہے کہ اس طرح میرا کام بگڑ جائے گا۔ لہٰذا وہ سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور حق گو کے مقابلے کے واسطے اپنے پورے ہتھیاروں سے آموجود ہوتا ہے تاکہ حق ظاہر نہ ہو۔ مگر آخر کار حق غالب آجاتا ہے اور سچائی کی فتح ہوتی ہے اور شیطان ہلاک اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ پس تم بھی کوشش کرو کہ حق کے پہنچانے والے بنو اور پھر ان مشکلات پر صبر کرنیوالے ہو جاؤ جو حق کے پہنچانے میں لازمی ہوتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ مالی مشکلات کے وقت انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور انسان پروا نہیں کرتا کہ آیا میں جائز ذریعہ سے پیٹ بھر رہا ہوں کہ ناجائز طریق سے۔ غرض فقر و فاقہ ایک ایسی مصیبت ہوتی ہے کہ انسان کو

حلال و حرام میں فرق بھی نہیں کرنے دیتی۔ حدیث میں آیا ہے کہ حرام کھانے والے کی دعا کبھی قبول نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان پر اگر ایک بڑے پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کے ذریعہ سے اس کے ادا کرنے کے سامان مہیا کر دیتا ہے اور اس طرح سے انسان قرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔

پس اگر انسان سے خطا پر خطا اور چوک پر چوک ہی ہوتی گئی ہے اور یہ ابتدائی مشکلات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکا اور ہم و حزن کے نتائج کا خمیازہ اٹھا کر عجز و کسل میں اور عجز و کسل کے نتائج بد بھگتنے کے لئے بخل اور جبن اور آخر کار قرض کی مصیبت میں مبتلا ہو ہی گیا ہے تو بھی اس کے واسطے ایک ذریعہ بچاؤ کا اور ہے اور وہ دعا ہے۔ اگر انسان کو دعا اپنے تمام لوازم اور شرائط کے ساتھ نصیب ہو جاوے تو انسان کی خوش قسمتی ہے اور مصائب سے نجات پا جانے کی ایک یقینی راہ ہے۔

نیز موجودہ زمانے میں دنیا طلبی اور دنیا کمانے کی کچھ ایسی ہوا چلی ہے کہ جس کو دیکھو اسی دھن میں لگا ہے اور جسے ٹٹولو اسی فکر میں حیران و سرگردان ہے۔ کوئی محکمہ' کوئی سوسائٹی ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک' ماتحت سے افسر تک' حاکم سے بادشاہ تک جسے دیکھو دنیا کی فکر میں لگا ہے۔ ضروریات کے وقت جائز و ناجائز کی بھی پروا نہیں کی جاتی بلکہ بلا امتیاز حلال و حرام اکٹھا کرنے کی کوشش اور فکر کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ہمارے حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس امر کو محسوس کر کے اس زمانہ کے مناسب حال اقرار لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔

پس آخر کار ان مشکلات کے واسطے اس دعا میں ہی یہ راہ بتائی کہ دعا کرے اور بات بھی یہی حق ہے کہ دعا ہی سے بیڑا پار ہوتا ہے۔

قرآن شریف سنو اور عمل کی غرض سے سنو۔ نفس کا دخل مت دو اور خدا سے دعائیں کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اعمال صالحات کی اور شر اور گناہ سے بچنے کی۔ آمین۔

(الحکم جلد ۱۳ نمبر ۲۶---۱۰؍ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ تا ۸)

☆-☆-☆-☆